مولانا مودودی رحمۃ اللہ علیہ

میاں طفیل محمد ○

یہ بات میرے لیے باعث صد مسرت و امتنان ہے کہ ترجمان القرآن کی خصوصی اشاعت بیاد مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی مرحوم و مغفور کے حصّہ اول کے بعد اس کا دوسرا حصّہ بھی تیار ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ اور اس سلسلے کے دوسرے اہل قلم کو اس کار خیر کے لیے اجر عظیم عطا فرمائے' اور آپ سب کے علم و فضل اور قابلیت میں روز افزوں خیر و برکت عطا فرمائے۔

آپ نے مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودی مرحوم کے بارے میں کوئی مضمون تحریر کرنے کی فرمایش کی ہے۔ اس بارے میں گزارش ہے کہ میں نے مولانا مرحوم سے ۱۹۴۴ء سے ۱۹۷۹ء تک ۳۵ سالہ دن رات کی رفاقت کے باوجود' ان کے بارے میں اس سے زائد کچھ نہیں کہا ہے جو مشاہدات میں عرض کیا گیا ہے۔ حضرت عائشہؓ سے بڑھ کر حضور نبی کریمؐ کو جاننے اور پہچاننے والی شخصیت اور کون ہوسکتی تھی۔ ان سے لوگوں نے جب پوچھا کہ حضور نبی کریمؐ کیسے تھے؟ تو انھوں نے فرمایا: حضورؐ چلتا پھرتا قرآن تھے۔ میں بھی مولانا مودودیؒ صاحب کے بارے میں یہی کہتا اور کہہ سکتا ہوں کہ مولانا مودودی مرحوم' دعوت اسلامی کا چلتا پھرتا نمونہ تھے۔

میں نے ۳۵ سالہ رفاقت کے دوران ان کی کوئی بات اور کوئی حرکت' اسلام اور اسوہ رسولؐ سے ہٹی ہوئی نہیں دیکھی۔ میرا ان سے ایک ہی بات پر اختلاف تھا کہ وہ پان کھاتے تھے۔ وہ

○ مولانا مودودیؒ کے دستِ راست اور سابق امیر جماعت اسلامی پاکستان [۸۷-۱۹۷۲ء]

فرماتے تھے کہ یہ اسلام کے منافی تو نہیں ہے، میں اسے تمھارے لیے تو نہیں چھوڑوں گا، خدا کے لیے جب ضرورت ہوگی تو چھوڑ دوں گا۔ چنانچہ اکتوبر ۱۹۴۸ء میں جب ہمیں گرفتار کیا گیا تو جیل کے پھاٹک کے باہر انھوں نے پان تھوکا، پھر ۲۰ ماہ جیل میں کبھی نہیں چکھا اور جب سینٹرل جیل ملتان سے ہم رہا ہوئے تو دفتر جماعت اسلامی ملتان میں آتے ہی پان منگوا کر کھانا شروع کر دیا۔

شہر لاہور میں، مارچ ۱۹۵۳ء میں، جب ہم لوگوں کو گرفتار کر کے لاہور سینٹرل جیل میں لے جایا گیا تو مولانا مودودی صاحب، مولانا امین احسن اصلاحی صاحب، ملک نصراللہ خاں عزیز صاحب، سید نقی علی صاحب، چودھری محمد اکبر صاحب سیالکوٹی اور مجھے لاہور سینٹرل جیل کے دیوانی گھر وارڈ میں اور لاہور سے گرفتار شدہ دوسرے حضرات کو دوسرے وارڈوں میں رکھا گیا۔ لاہور سینٹرل جیل میں ہی قائم کردہ مارشل لا کورٹ میں مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب، سید نقی علی صاحب اور ملک نصراللہ خاں عزیز صاحب پر مقدمہ چلایا گیا۔ مارشل لا کورٹ میں مولانا مودودی صاحب نے جو بیان دیا وہ انھوں نے مجھے ہی لکھوایا (dictate) تھا اور یہی بیان عدالت میں مولانا محترم نے پیش کیا۔

۱۱ مئی ۱۹۵۳ء کو ہم لوگ دیوانی گھر وارڈ کے صحن میں مولانا مودودی صاحب کی اقتدا میں مغرب کی نماز پڑھ رہے تھے کہ دیوانی گھر وارڈ کا باہر کا دروازہ کھٹ سے کھلا اور ۱۴، ۱۵ فوجی اور جیل افسر اور وارڈر احاطے میں داخل ہوئے۔ اور جہاں ہم نماز پڑھ رہے تھے وہاں قریب آ کر کھڑے ہوگئے۔ ہم نے سلام پھیرنے کے بعد عرض کیا: ''فرمایئے' کیا حکم ہے''۔ ایک فوجی افسر نے کہا: ''آپ لوگ نماز سے فارغ ہولیں''۔ چنانچہ ہم نے باقی نماز مکمل کر لی تو ان میں سے بڑے فوجی افسر نے جو مارشل لا کورٹ کا صدر تھا، اس نے پوچھا: ''مولانا مودودی صاحب کون ہیں؟'' حالانکہ وہ جانتا تھا کہ مولانا مودودی صاحب کون ہیں، اس لیے کہ وہ تو عدالت میں کئی دن ان کے سامنے پیش ہوتے رہے تھے۔ بہرحال مولانا نے عرض کیا: ''میں ابوالاعلیٰ مودودی ہوں''، تو اس نے کہا: ''آپ کو قادیانی مسئلہ تصنیف کرنے پر موت کی سزا دی جاتی ہے۔ اس کے خلاف کوئی اپیل نہیں ہوسکتی ہے۔ آپ گورنر جنرل سے رحم کی اپیل کر سکتے ہیں''۔ مولانا نے بلاتوقف فرمایا: ''مجھے کسی سے کوئی رحم کی اپیل نہیں کرنی ہے۔ زندگی اور موت کے فیصلے زمین پر نہیں آسمان پر ہوتے

ہیں۔ اگر وہاں پر میری موت کا فیصلہ ہو چکا ہے تو دنیا کی کوئی طاقت مجھے موت سے نہیں بچا سکتی، اور اگر وہاں سے میری موت کا فیصلہ نہیں ہوا ہے تو دنیا کی کوئی طاقت میرا بال بھی بیکا نہیں کر سکتی"۔ اس کے بعد اسی افسر نے کہا: "آپ نے مارشل لا کے بارے میں روزنامہ تسنیم میں جو بیان دیا ہے اس پر آپ کو سات سال قید بامشقت کی سزا دی جاتی ہے"۔

اس کے بعد اسی افسر نے پوچھا: "نقی علی کون ہے؟" سید نقی علی کو بھی وہ خوب جانتا تھا کہ وہ بھی ان کی عدالت میں پیش ہوتے رہے تھے۔ بہرحال سید نقی علی صاحب نے عرض کیا: "میں ہوں نقی علی"۔ اس افسر نے کہا: "تمھیں قادیانی مسئلہ چھاپنے کے جرم میں نو سال قید بامشقت کی سزا دی جاتی ہے"۔ سید نقی علی صاحب نے بھی جواب دیا: "آپ کا شکریہ"۔

اس کے بعد اس افسر نے پوچھا: "نصر اللہ خان عزیز کون ہے؟" ملک نصر اللہ خان صاحب نے جواب دیا: "میں ہوں نصر اللہ خان عزیز"۔ افسر نے کہا: "آپ کو روزنامہ تسنیم میں مولانا مودودی صاحب کا بیان شائع کرنے کے جرم میں تین سال قید بامشقت کی سزا دی جاتی ہے"۔ ملک صاحب نے جواب دیا: "آپ کا شکریہ"۔

یہ حکم سنانے کے بعد یہ لوگ واپس چلے گئے اور وارڈ کا باہر کا دروازہ بند کر دیا گیا۔ واقعہ یہ ہے کہ احکام سننے کے بعد ہم لوگوں پر بظاہر کوئی اثر ہی نہ ہوا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جیسے تیز بلیڈ یا تیز دھار چھری سے ہاتھ کٹ جانے سے فوراً درد محسوس ہی نہیں ہوتا، اسی طرح مولانا مودودی صاحب کی سزاے موت کا یہ حکم سننے کے بعد ہمیں کچھ محسوس ہی نہیں ہوا۔

کوئی آدھ گھنٹے کے بعد ہیڈ وارڈن اور ان کے ساتھ کچھ دوسرے وارڈر آئے اور انھوں نے کہا: "مولانا مودودی صاحب تیار ہو جائیں، وہ پھانسی گھر جائیں گے"۔ اس پر مولانا مودودی صاحب نے اطمینان سے اپنا کھلا پاجامہ تنگ پاجامے سے بدلا، جو وہ گھر سے باہر جاتے وقت پہنا کرتے تھے۔ سر پر اپنی سیاہ قراقلی ٹوپی پہنی اور چپلی اتار کر سیاہ گرگابی جوتا پہنا اور اپنا قرآن مجید لے کر اور ہم سب سے گلے مل کر نہایت اطمینان سے پھانسی گھر روانہ ہو گئے۔

اس کے کوئی نصف گھنٹہ بعد پھر وارڈر آئے اور کہا: "ملک نصر اللہ خاں عزیز اور سید نقی علی صاحب بھی چلیں۔ وہ سزا یافتہ قیدیوں کے بارک میں جائیں گے"۔ چنانچہ وہ دونوں بھی مولانا

امین احسن اصلاحی صاحب' چودھری محمد اکبر صاحب کو اور مجھ سے گلے مل کر وارڈروں کے ساتھ چلے گئے۔ اس کے تھوڑی دیر بعد وارڈر مولانا مودودی صاحب کا جوتا' پاجامہ' قمیص اور ٹوپی لا کر ہمیں دے گئے کہ مولانا صاحب کو پھانسی گھر کے کپڑے پہنا دیے گئے ہیں۔ ان چیزوں کی اب ضرورت نہیں ہے۔ اس پر پہلی مرتبہ ہم لوگوں کو اندازہ ہوا کہ ہو کیا گیا ہے۔

اب مولانا امین احسن اصلاحی صاحب' مولانا مودودی صاحب کی قمیص' پاجامہ اور ٹوپی کبھی سینے سے لگاتے اور کبھی اپنے سر پر رکھتے' کبھی آنکھوں پر لگاتے اور بے تحاشہ روتے ہوئے کہتے جاتے کہ: ''مجھے یہ تو معلوم تھا کہ مولانا مودودی صاحب بہت بڑے آدمی ہیں' لیکن مجھے یہ معلوم نہیں تھا کہ خدا کے ہاں مودودی صاحب کا اتنا بڑا مرتبہ اور مقام ہے''۔ چودھری محمد اکبر صاحب بھی روتے ہوئے کمرے سے باہر نکل کر صحن میں چلے گئے اور میں بھی روتا ہوا صحن میں ایک طرف نکل گیا اور ساری رات اسی طرح سے گزر گئی۔ میرے دل میں کبھی تو یہ خیال آتا کہ اللہ تعالیٰ کبھی ان ظالموں کو مولانا کو پھانسی پر لٹکانے کا موقع نہیں دے گا۔ لیکن اگلے ہی لمحے خیال آتا جس خدا کے سامنے اس کے رسولؐ کے نواسے امام حسینؓ کو ظالموں نے تپتی ریت پر لٹا کر ذبح کر دیا' اس کے ہاں بھلا مودودی کی کیا حیثیت ہے۔ جس خدا کی زمین پر رات دن لاکھوں کروڑوں نہایت حسین پھول کھلتے اور مرجھا جاتے ہیں اور کوئی آنکھ ان کو دیکھنے والی بھی نہیں ہوتی' اسے ایک مودودی کی کیا پروا ہے۔ اسی ادھیڑ بن میں ساری رات گزر گئی۔

اگلی صبح ایک وارڈر نے آ کر بتایا: ''مولانا مودودی صاحب تو عجیب آدمی ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ ان کو یہ اندازہ ہی نہیں کہ ان کے ساتھ کیا ہونے والا ہے۔ وہ پھانسی گھر گئے' وہاں کا لباس پہنا' جنگلے سے باہر پانی کے گھڑے سے وضو کیا اور عشاء کی نماز پڑھی اور ٹاٹ پر لیٹ کر تھوڑی دیر بعد خراٹے مارنے لگے۔ حالانکہ ان کے آس پاس پھانسی گھر کے دوسرے قیدی چیخ و پکار میں مصروف تھے''۔

مولانا مودودی صاحب کو پھانسی کی سزا کا اعلان ہوتے ہی ملک بھر میں ہی نہیں بلکہ دنیا بھر میں احتجاج شروع ہو گیا۔ انڈونیشیا کی اسلامی پارٹی کے وزیراعظم ڈاکٹر ناصر صاحب نے حکومت پاکستان سے کہا کہ: ''پاکستان کو مودودی صاحب کی ضرورت نہیں تو دنیا بھر کے مسلمانوں کو ان کی

ضرورت ہے۔ پاکستان ان کو انڈونیشیا بھجوا دے''۔ سعودی عرب نے اس سزا کے خلاف شدید احتجاج کیا۔علیٰ ھذا القیاس بہت سے دوسرے ممالک کے مسلمانوں نے بھی اور پاکستان میں تو ہر جگہ سے احتجاج ہوا۔اس احتجاج کا نتیجہ یہ ہوا کہ تیسرے ہی روز حکومت پاکستان نے اعلان کر دیا کہ مولانا مودودی صاحب اور مولانا عبدالستار خاں نیازی صاحب کی سزائے موت عمر قید میں تبدیل کر دی گئی ہے۔ چنانچہ مولانا مودودی صاحب کو پھانسی گھر سے جیل کے بی کلاس وارڈ میں منتقل کر دیا گیا۔

ہم لوگوں نے سپرنٹنڈنٹ جیل سے درخواست کی کہ ہمیں مولانا مودودی صاحب سے ملاقات کی اجازت دی جائے' چنانچہ ہمیں اس کی اجازت مل گئی تو ہم لوگ بی کلاس وارڈ میں جا کر مولانا سے ملے۔مولانا کا سارا سامان چونکہ گھر بھیج دیا گیا تھا' اس لیے میں اپنا ایک ململ کا کرتہ' لٹھے کا پاجامہ اور بستر کی ایک چادر ساتھ لے گیا اور کھدر کے کرتے پاجامے کی جگہ یہ کپڑے ان کو پہنا دیے۔مولانا مودودی صاحب کا پورا جسم گرمی اور کھدر کے موٹے کُرتے پاجامے کی وجہ سے گرمی دانوں سے بھرا پڑا تھا۔اسی بی کلاس وارڈ میں مولانا عبدالستار خاں نیازی صاحب اور مولانا خلیل احمد صاحب خلف مولانا ابوالحسنات صاحب سے بھی ملاقات ہوئی۔

چند دن کے بعد سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب کو لاہور سنٹرل جیل سے میانوالی جیل میں منتقل کر دیا گیا اور پھر کچھ دن کے بعد ہی انھیں میانوالی جیل سے ڈسٹرکٹ جیل ملتان بھیج دیا گیا' جہاں ان کو ایک وارڈ کے کھلے میدان میں ٹین کے بنے ہوئے الگ گول کمرے میں رکھا گیا' جو جون' جولائی کی دھوپ میں تپ کر جہنّم بن جاتا تھا' لیکن اس کے باوجود مولانا نے نہ کبھی کوئی شکایت کی اور نہ اس پر کوئی احتجاج فرمایا۔اس سے اہل حکومت کو اور پریشانی ہوئی کہ ان کا کوئی حربہ بھی مولانا مودودی صاحب کو ان سے فریاد کرنے پر مجبور کرنے کے لیے کامیاب نہیں ہو پاتا۔ملتان ڈسٹرکٹ جیل میں دو مرتبہ میں نے مولانا مودودی صاحب سے ملاقات کی۔وہ ان ساری تکالیف کو نہایت خندہ پیشانی سے برداشت کر رہے تھے اور کبھی ہم سے بھی انھوں نے اپنی کسی تکلیف یا پریشانی کا اظہار نہیں فرمایا۔

سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب کی یہ عمر قید عملاً ۱۴ سال قید بامشقت کی تھی۔اگرچہ یہ مارشل لا کورٹ کے تحت دی گئی تھی اور مارشل لا ختم ہو جانے کے بعد اسے ختم ہو جانا چاہیے تھا' لیکن مارشل لا

کے تحت سارے احکام اور سزاؤں کو انڈمنٹی ایکٹ کے تحت برقرار رکھا گیا تھا' اس لیے یہ سزائیں مارشل لا اٹھ جانے کے باوجود بھی قائم اور جاری تھیں۔

ملک غلام محمد گورنر جنرل کی حکومت مولانا مودودی صاحب کو ۱۴ سال قید بامشقت کی سزا دے کر مطمئن ہوگئی کہ ان کی مولانا مودودی صاحب اور ان کی اسلامی دستور کی تحریک سے جان چھوٹ گئی اور اب وہ اپنا من مانا سیاسی نظامِ حکومت' پاکستان پر مسلط کرسکیں گے۔ لیکن کارساز مابکارِ کارِما۔ ہوا یہ کہ نواب زادہ لیاقت علی خاں کی شہادت کے بعد خواجہ ناظم الدین ملک کے وزیراعظم بن گئے تھے۔ مولوی تمیزالدین خاں صاحب پہلی دستور ساز اسمبلی جو ملک کی پارلیمنٹ بھی تھی اس کے صدر تھے' ان کا موقف یہ تھا: ''سلطنت برطانیہ نے اقتدار مجلس دستور ساز کو منتقل کر کے اس کو یہ اختیار دیا ہے کہ وہ پاکستان کے لیے دستور مملکت وضع کر کے اقتدار باشندگان پاکستان کو منتقل کرے' اس لیے اب جو دستور اور قانون بھی یہ مجلس دستور ساز کی حیثیت سے بنائے اس کے لیے گورنر جنرل جو ملکہ برطانیہ کا نمایندہ ہے اس کی منظوری اور دستخطوں کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ مجلس دستور ساز کے صدر مولوی تمیزالدین خاں کی منظوری اور دستخطوں سے قانون اور ملک کا دستور بن جائے گا''۔ چنانچہ لاہور کے مارشل لا اٹھنے کے بعد جو انڈمنٹی ایکٹ' مجلس نے پاس کیا تھا اس پر گورنر جنرل ملک غلام محمد صاحب کے نہیں' بلکہ مولوی تمیزالدین صاحب کے دستخط کرائے گئے تھے اور مارشل لا اٹھ جانے کے بعد اس کی کارروائیوں اور فیصلوں کو مستقل حیثیت دے دی گئی تھی۔ لیکن ملک غلام محمد صاحب گورنر جنرل کے مجلس دستور ساز اور پارلیمنٹ کو توڑنے کے حکم کے خلاف مولوی تمیزالدین صاحب کے مقدمے میں جسٹس محمد منیر صاحب چیف جسٹس سپریم کورٹ اور ان کے بنچ نے یہ فیصلہ دیا کہ پاکستان کی پارلیمنٹ خواہ پارلیمنٹ کی حیثیت سے یا مجلس دستور ساز کی حیثیت سے کوئی کارروائی کرے' اس کا کوئی فیصلہ گورنر جنرل کی منظوری کے بغیر قانونی صورت اختیار نہیں کرسکتا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مجلس کا پاس کردہ انڈمنٹی ایکٹ بے اثر اور کالعدم ہوگیا' کیونکہ اس پر گورنر جنرل کے دستخط نہیں تھے۔ اس لیے جماعت اسلامی نے مولانا مودودی صاحب کی سزا کو کالعدم کرانے کے سلسلے میں لاہور ہائی کورٹ میں میاں منظور قادر ایڈووکیٹ کے ذریعے سے رٹ دائر کردی اور ہائی کورٹ نے رٹ منظور کرتے ہوئے سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب کو رہا کرنے کا حکم

دے دیا' چنانچہ مولانا مودودی صاحب ۲۸ مئی ۱۹۵۵ء کو ڈسٹرکٹ جیل ملتان سے رہا ہو کر گھر آ گئے۔

مولانا مودودی صاحب کی سزاے موت کے خلاف رٹ کی اس کارروائی کو اللہ تعالیٰ نے میاں منظور قادر صاحب کو منکر خدا سے ایک مومن و مسلم میں تبدیل کرنے کا ذریعہ بھی بنا دیا۔ ہوا یوں کہ اس سلسلے میں ان سے میرا رابطہ اور بے تکلفی ہوئی تو میں نے ایک روز تفہیم القرآن کا پورا سیٹ لے جا کر میاں منظور قادر صاحب کی خدمت میں پیش کیا تو انھوں نے فرمایا: ''میاں صاحب' آپ کو تو معلوم ہوگا کہ میں تو خدا کو نہیں مانتا''۔ میں نے عرض کیا: ''میاں منظور قادر صاحب' آپ نے ہزاروں کتابیں ہر فن میں پڑھی ہیں' ان کو بھی پڑھ ڈالیں۔ آپ کو معلوم تو ہو کہ مولانا مودودی کیا کہتے ہیں اور کیسے آدمی ہیں؟'' چنانچہ انھوں نے تفہیم القرآن کا سیٹ لے کر رکھ لیا۔

میاں منظور قادر صاحب کچھ عرصے بعد جگر کے کینسر میں مبتلا ہو گئے۔ وہ علاج کے لیے سی ایم ایچ لاہور میں داخل ہو گئے۔ میں ان کی عیادت کے لیے گیا تو کافی مضمحل تھے۔ مجھ سے فرمایا:

Mian Sahib, now I have made peace with my Lord.Now I am prepared to meet Him.

اور کچھ عرصے بعد ان کا انتقال ہو گیا۔ انّا للہ و انّا الیہ راجعون!

● مولانا مودودی صاحب کو چار مرتبہ گرفتار کیا اور جیل بھیجا گیا۔ پہلی مرتبہ ۴ اکتوبر ۱۹۴۸ء کو جہاد کشمیر کے بارے میں جھوٹا الزام لگا کر اور اس بار مولانا امین احسن اصلاحی صاحب کو اور مجھے بھی ان کے ساتھ گرفتار کر کے نیو سینٹرل جیل ملتان میں نظر بند رکھا گیا اور ۲۰ ماہ بعد اس وقت رہا کیا گیا' جب ایک اور نظر بندی کے سلسلے میں ہائی کورٹ نے یہ فیصلہ دے دیا کہ پنجاب پبلک سیفٹی ایکٹ کے تحت نظر بندی میں دو مرتبہ ہی چھے چھے ماہ کی توسیع ہو سکتی ہے۔ اس سے زیادہ توسیع نہیں ہو سکتی۔ ہم لوگ اس وقت اسی پبلک سیفٹی ایکٹ کے تحت تیسری توسیع کے تحت قید بھگت رہے تھے۔ اس لیے ہم لوگوں کو بھی حکومت کو رہا کرنا پڑا۔

● دوسری مرتبہ مولانا مودودی صاحب لاہور شہر کے مارشل لا کے تحت ۲۸ مارچ ۱۹۵۳ء کو گرفتار ہوئے تو ان کے ساتھ مولانا امین احسن اصلاحی صاحب اور میرے علاوہ جماعت کے ۵۶'۵۵ نمایاں ارکان بھی گرفتار کر لیے گئے۔ مولانا مودودی صاحب کو سزاے موت اور بعد ازاں

اسے عمر قید میں تبدیل کر دیا گیا اور وہ ۲۶ ماہ بعد اس بنا پر رہا ہوئے کہ جس انڈمنٹی ایکٹ کے تحت مولانا کی سزا برقرار تھی وہی خلاف قانون پایا گیا۔

● تیسری مرتبہ مولانا مودودی صاحب ۴ جنوری ۱۹۶۴ء کو جماعت اسلامی خلافِ قانون قرار دیے جانے پر گرفتار ہوئے اور ان کے ساتھ جماعت کے ۵۵، ۵۶ دوسرے سرکردہ ارکان جماعت بھی گرفتار ہوئے۔ پھر مولانا مودودی صاحب اور دوسرے سب نظر بند بھی ۹ ستمبر ۱۹۶۴ء کو اس وقت رِہا ہوئے، جب کہ سپریم کورٹ پاکستان نے جماعت پر پابندی کو منسوخ اور مولانا مودودی سمیت تمام نظر بند ارکانِ جماعت کی رہائی کا حکم دے دیا۔

● چوتھی مرتبہ مولانا مودودی صاحب ۱۹۶۷ء میں اس لیے گرفتار اور نظر بند کیے گئے کہ عیدالفطر، جمعہ یا جمعرات کو پڑ رہی تھی اور جنرل محمد ایوب خاں صاحب کو ان کے بعض درباریوں نے ڈرا دیا تھا کہ عید جمعہ کے روز ہوئی تو دو خطبے ہوں گے، یعنی ایک عید کا اور دوسرا جمعہ کا، اور ایک دن میں دو خطبوں کا ہونا حکومت کے لیے منحوس اور خطرہ بھی ہوسکتا ہے۔ چنانچہ جنرل محمد ایوب صاحب نے اپنے خوشامدی علما کے ذریعے چاند بدھ کی شام کو ہی دکھا دیا تا کہ عید جمعرات کو ہی ہو جائے۔ مولانا مودودی صاحب اور تین چار اور بڑے علمائے کرام نے سرکاری چاند کو ماننے سے انکار کر دیا۔ اس پر جنرل محمد ایوب صاحب کی حکومت نے مولانا مودودی صاحب کو گرفتار کر کے راتوں رات لاہور سے لے جا کر بنوں میں نظر بند کر دیا اور دو ماہ بعد ان کو رِہا کیا۔

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب گردے میں پتھری کے لیے ۴۳-۱۹۴۲ء سے ہی مریض تھے۔ ۱۹۴۶ء میں امرتسر کے سول ہسپتال میں ڈاکٹر ریاض قدیر صاحب اور ڈاکٹر غلام محمد بلوچ صاحب نے ان کے گردے سے چھ پتھریاں نکالیں لیکن کچھ عرصے کے بعد وہ پھر بننا شروع ہوگئیں۔ پہلے یہ مسلسل تکلیف کی موجب رہیں اور مولانا اسی حال میں اپنے سارے کام کرتے رہے، یہاں تک کہ آخرکار ۱۹۶۸ء میں لندن میں ڈاکٹروں نے یہ گردہ ہی نکال دیا۔ اسی وجہ سے اس کے بعد انھوں نے اپنا قائم مقام بھی بنانا شروع کر دیا، اور آخرکار ۱۹۷۲ء میں امارت کا بار مزید اٹھانے سے بالکل ہی معذرت فرما دی۔ واللّٰہ المستعان!